Advertisement at Urdu Palace

Are you looking for an affordable website to advertise your business?
Urdu Palace offers lowest rates for all advertisers.
For Advertisement of your brand or business on our website call us or contact through

Whatsapp on following numbers:+92-348-8709449,+92-303-5110135

www.urdupalace.com

ناولٹ

ہنسنا منع ہے

اُمِ طیفور

''او...... بیڑا غرق! ابل گیا، پکڑ، پکڑا سے پکڑ بھی۔'' اماں نے بڑی کوشش کی تھی کہ دودھ کو پکڑ سکیں پر وہ دغا دے گیا تھا۔ جتنی تیزی سے وہ کچن میں داخل ہوئی تھیں سانس الگ چڑھ گئی تھی۔ کچھ لمحے تاسف سے ضائع شدہ دودھ کو دیکھا پھر ''رخ پُر غضب'' چولھے کے بالکل پاس دھرے پیڑھے۔ پہ بیٹھی کشور کی طرف کیا۔

''کچھو...... اوکچھو۔'' اماں کو جب بھی کشور بی پر

www.urdupalace.com

غصہ آتا تو اسے ماضی کے یادگار نام سے ہی بلاتی تھیں۔

''اُئی..... (اندھی) ہوگئی ہے کیا.....؟ دیدوں میں سلائیاں پھیر کر بیٹھی ہے، جو ابلتا دودھ تجھے نظر نہ آیا؟ ڈڈو جیسے پھٹے ہوئے ڈیلے ہیں پر مجال ہے کوئی کام ڈھنگ سے بھی کرلے..... لے کے سارا دودھ برباد کردیا۔ چولھے کا ناس مارا سو الگ.....'' اماں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کشور کا سر ہی چولھے میں دے ماریں، تاؤ کم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔

''اماں..... یہ کچھو کس کو کہا ہے؟'' شاید دودھ اوپر گر جاتا تو کشور اتنا نہ بلبلاتی۔ جتنا اماں کے کچھو کہنے پر تڑپی تھی۔ ''ہزار بار کہا ہے میرا صحیح نام بلایا کرو..... پر نہ جی، دنیا چاند پر پہنچ گئی پر ہم ابھی تک کچھو، پوپے اور پیچے سے باہر نہیں آئے۔ بدلو اماں، بدلو خود کو..... اب آپ وہ پرانی اماں نہیں رہی ہو۔ پنڈ سے شہر آچکی ہو، اب دودھ ابلنے پر پنڈ والی اماں کی طرح واویلا نہ کیا کرو..... بلکہ.....''

''ناں..... رولا نہ ڈالوں تو کیا کروں.....؟ بتا..... بتا ذرا.....'' اماں نے کشور کی بات کاٹ کر خطرناک تیوروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کرنا کیا ہے اماں..... بس صافی لے کر چولھا صاف کرلو، اللہ، اللہ خیر صلا۔'' کشور نے نادر مشورے سے نوازتے ہوئے پھر سے سابقہ مشغلے کی طرف توجہ دی۔ وہ پچھلے دس منٹ سے ہاتھ، بازوؤں اور پیروں پر لیموں رگڑنے میں مصروف تھی۔ اماں غصے سے بڑبڑاتی چولھا صاف کرنے لگیں۔ انہیں خفا، خفا سا دیکھ کر کشور پیڑھے سے اٹھی۔ دونوں پاؤں چپلوں کے اوپر جمائے اور کھسر پھسر کرتی چولھے کے پاس آکھڑی ہوئی۔

''لاؤ اماں! خفا کیوں ہوتی ہو؟ لاؤ میں صاف کر دیتی ہوں۔'' اس نے لیموں سے سنے ہوئے ہاتھ آگے بڑھائے جنہیں اماں نے زور سے پرے جھٹک دیا۔

''پرے مر.....!'' ''کھٹاس مارے'' ہاتھ لے کر آگئی۔ رہا سہا دودھ بھی غارت ہوجائے گا جو ہلکی سی چھینٹ بھی پڑ گئی تو..... نکل اِدھر سے نہیں تو تجھے لیموں کی طرح نچوڑ دوں گی۔''

''ہاں اماں! آپ واقعی نچوڑ سکتی ہیں، گاؤں کی جم پل (پلی بڑھی) ہیں۔ مجھ جیسی ''شہری دوشیزہ'' کی ''دیسی پہلوان'' کے آگے کیا اوقات.....''

''دفع ہو جا کچھو..... نہیں تو سچ میں سر کھول دوں گی تیرا.....'' اماں نے غصے سے دودھ میں لتھڑی صافی سنک میں دھونے کے لیے پٹخی۔

''اماں، اماں یہ دیکھو ذرا..... اے اماں..... ٹونٹی بند کرو پہلے میرے بال دیکھو ذرا۔ مجھے لگتا ہے اس دفعہ پرویز سے جو وہی آپ نے منگوایا ہے وہ دو نمبر ہے۔ منحوسوں نے شاید صد بونڈ ڈالنی شروع کردی ہے اس میں..... یہ دیکھ تو.....'' کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد پھر کشور کی آواز ابھری تھی اور تنگ آکر اماں نے ٹونٹی بند کی پھر مڑ کر کشور کو دیکھا تو یک دم جو ہنسنا شروع ہوئیں تو لال سرخ ہوگئیں۔ بڑی مشکل سے پیڑھے پہ بیٹھیں..... اماں کا مثانہ کمزور تھا اور ایسے ہی کسی نازک موقع پر اکثر ہنس، ہنس کر ان کے کپڑے خراب ہوجاتے تھے۔ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد پھر کشور کی آواز ابھری تھی اور اس وقت بھی کشور جس شکل میں ان کے سامنے تھی اس نے ان کی حالت عجیب سی کردی تھی۔ پہلے تو کچن میں دودھ ابلنے کی افراتفری اور غصے نے انہیں کشور کو دیکھنے کی فرصت کب دی تھی اور اب جو فرصت سے دیکھا تو قہقہے تھم نہیں رہے تھے اور کشور شدید پریشانی کے عالم میں اپنے بالوں کے اکڑاؤ پر غور کررہی تھی۔ اور ساتھ ہی اماں پہ بھی غصہ آرہا تھا جو بجائے اس کی مشکل آسان کرنے کے اس پر ہنسے جارہی تھیں۔ پتا نہیں گڑ بڑ کہاں پہ ہوئی تھی۔ کسی ڈائجسٹ میں سے حسن نکھارنے کے نسخے لیے تھے، جن کو آزمانے کا موقع آج کشور نے ڈھونڈ نکالا تھا۔ آسان سے تو نسخے تھے۔ بالوں پہ دہی میں تھوڑا سا سرسوں کا تیل مکس کرکے لگایا تھا اور چہرے پر خالص شہد کا ماسک..... پھر مسئلہ کیا تھا؟ بال یوں اکڑے

www.urdupalace.com

جا رہے تھے جیسے کرنٹ لگا ہو۔ چھوٹی، چھوٹی پہاڑیاں کشور نے خود ابھی بنا چھوڑی تھیں۔ جب انگلیوں کی پوروں سے بالوں کو کھینچ کھینچ کر ان کے اکڑاؤ کی وجہ معلوم کر رہی تھی۔ جبکہ چہرے پر بھی عجیب پیلی سی چپچپاہٹ چپکی ہوئی تھی۔

اس سے پہلے کہ کشور اپنے بھیانک منہ سے رونے کی بھیانک آواز نکالتی اماں نے بہ مشکل ہنسی روک کر قریب پڑی ڈوئی اٹھا کر اس کی پنڈلی پر دے ماری۔ کشور نے تڑپ کر پنڈلی تھام لی تھی۔ اماں کی ڈوئی نے وقتی طور پر ہی سہی کشور کا دھیان اس کے بالوں سے ہٹا دیا تھا۔

"مر جایئے...... جا کر ذرا بوتھی دیکھ شیشے میں۔ عقل کی اَنی تو نے نسخے پٹھے (الٹے) کر دیے ہیں۔ عقل تو تیری ویسے ہی چولھے میں ڈالنے جوگی ہے۔ جو الا بلا پڑھتی ہے، تھوتھنی پہ مل لیتی ہے ناں...... ذرا بتا مجھے ملا کیا ہے تو نے اپنے جھاٹے میں اور بوتھے پر۔" اماں رج، رج ہنسنے کے بعد کافی حد تک نارمل ہو چکی تھیں اور نارمل حالت میں اماں "غضبناک" ہی رہتی تھیں۔

"اماں...... ! دہی میں سرسوں ملا کر لگایا ہے بالوں میں۔ لکھا تھا خشکی دور ہوگی اور بال ریشم کے لچھوں جیسے ہو جائیں گے اور منہ پر گلابی پن لانے کے لیے شہد لگایا تھا۔ پر مجھے لگتا ہے میرے بال ریشم کے لچھوں جیسے نہیں، چولھے کی بتیوں جیسے وٹے گئے ہیں۔"

"باغلے! ریشم کے بال تو آپ ناریل کی چھال سے بنے لگتے ہیں، تجھے کیوں اتنے پسند آ گئے؟" اماں کے لہجے میں حیرت در آئی تھی۔ ریشم دو گھر چھوڑ کر ہی رہتی تھی جو اپنے انتہائی گھنگرالے اور روکھے بالوں کی وجہ سے جانی جاتی تھی۔

"ناں اماں، مجھے کیا ڈینگی ہو گیا ہے جو میں ریشم کے "لیلے کی جت" (چھترے بکرے کی کھال) جیسے بال پسند کروں گی۔ میں نے اصل ریشم، دھاگے جیسی نرمی اور ملائمت کی بات کی ہے اماں......" کشور کو ریشم پڑوسن کے حوالے نے پتنگے لگا دیے تھے۔

"بچ...... چل فیر پتر باہر کمرے پہ چل۔" اماں نے کشور کو طنزاً پچکارا...... "چل کے سر دھلوا لے مجھ سے کیونکہ ابھی تیری دادی کمرے سے باہر آ گئی اور تیری یہ جو ملنگوں جیسی موٹی، موٹی لٹیں بنی ہوئی ہیں ناں، دیکھ لیں ناں تو میرا پتر اس نے انہیں تیلی دکھا دینی ہے۔ تجھے پتا ہے تیری دادی کو تیلیاں لگانے کا کتنا شوق ہے اور کچھ تو لگ بھی بتیوں والا چولھا ہی رہی ہے۔" اماں پھر ہنس، ہنس کر لوٹ پوٹ ہونے لگیں تو کشور پاؤں پٹختے ہوئے خود ہی سر، منہ دھونے چل دی۔ کیونکہ دادی کی نظر میں واقعی وہ نہیں آنا چاہتی تھی۔ انہوں نے شہد اور دہی جیسی قیمتی چیزوں کے زیاں پر رات سونے تک "میرے پتر کی کمائی، میرے پتر کی کمائی" کرتے رہنا تھا۔

☆☆☆

بڑی مزے کی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ کشور صحن میں چارپائی پر دراز پیچھے کی طرف سر لٹکائے لیٹی دادی کے سر پر بھر بھر کے مہندی تھوپ رہی تھی۔ ایک یہ شوق ایسا تھا جو شدید سردی میں بھی دادی کا جاتا نہیں تھا۔ چاہے گردن اکڑ اکڑ جاتی پر بال ضرور رنگتی تھیں۔

اور کشور مہندی لگانے سے سخت چڑتی تھی لہٰذا تقریباً نیند سے اونگھتی دادی کو مہندی سے "لتھیڑنے" کا شوق پورا کر رہی تھی۔ قریب ہی اماں شلجم کاٹ رہی تھیں مگر کشور کو روک ٹوک نہیں کر رہی تھیں کیونکہ ساس کی حالت دیکھ کر خود کو بھی مزہ آ رہا تھا۔ بس ہنسی روک رکھی تھی، مبادا ساس جاگ جائیں، ویسے بھی اماں کے دو ہی تو شوق تھے۔ بے تحاشا غصہ کرنا اور بے تحاشا ہنسنا۔

چھپ کی آواز کے ساتھ کشور مہندی ہاتھ میں بھر کر دادی کے سر پر مل دیتی تھی۔ مزیدار دھوپ کی گرمائش دادی کو نیند کے گہرے جھونکے میں لے گئی تھی اور یہ بہترین موقع تھا کہ جی بھر کر دادی کا مہندی لگوانے کا ارمان پورا کر دیتی تا کہ آئندہ دادی کم از کم کشور کو مہندی لگانے کا فریضہ نہ سونپتیں۔

سر پر مہندی کا رقبہ بڑھا کر بھوؤں تک پھیلا دیا۔

www.urdupalace.com

کان تو پہلے ہی ''مہندی کی ٹوپی'' میں گم ہو چکے تھے۔ اماں نے شلجم کا ٹکرا منہ میں ڈالتے ہوئے ساس کا جائزہ لیا جن کو ایک نظر دیکھنے میں یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے موٹی اونی ٹوپی کو اچھی طرح سر پر اوڑھے دھوپ انجوائے کر رہی ہیں۔ بس ٹوپی ذرا کھینچ کر ماتھا اور کان ڈھکنے کا اہتمام بھی کر لیا تھا۔ اتنی سی بات تھی..... اماں کے ہونٹ ہنسنے کے اسٹائل میں پھیلتے دیکھ کر کشور نے گھورا تھا۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ مہندی خشک ہونے سے پہلے دادی اٹھ جاتیں تو جوتے تو پڑتے ہی (جن کی کشور کو پروا نہیں تھی) مگر رنگ چڑھنے سے پہلے ہی دادی سر دھو لیتیں۔ تو اتنا رسک لینے کا فائدہ بھلا کیا ہوتا؟ کوئی اور وقت ہوتا تو اماں، کشور کی گھوری پہ یقیناً اس کی آنکھیں نکال دیتیں۔ پر اس وقت ہنسی کنٹرول کرنا ضروری تھا کیونکہ بڑا شغل ہاتھ آنے والا تھا۔ بڑی مشکل سے کشور کو کٹے ہوئے شلجم کی ٹوکری اشارے سے کچن میں لے جانے کو کہا اور خود کھڑی ہوتی گھٹنے سے گھٹنا جوڑتی باتھ روم روانہ ہوئیں۔

☆☆☆

دوپہر کا ایک بجنے والا تھا۔ ساڑھے گیارہ کا ٹائم تھا۔ جس وقت کشور مہندی تھوپ کر ہٹی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹا ہو چکا تھا۔ دادی کے مہندی لگے۔ لال، لال رنگ تو یقیناً پکڑ ہی لیا ہوگا ماتھے اور کانوں کی جلد نے، کشور نے کچن کے جالی والے دروازے سے دادی کو دیکھ کر سوچا۔ ساتھ سلاد کے لیے باریک، باریک پیاز کترتے اس نے دادی میں نیند سے جاگنے کے آثار محسوس کر لیے تھے۔ اسے پتا تھا دادی ابھی کچھ دیر مزید لیٹیں گی، سر کی مہندی خشک کرنے کے لیے۔ پھر قریب ہی صحن کے نکڑ پہ بنے کھرے پر جا کر سر دھو لیں گی۔ کشور کی نظر نے بے چینی سے اماں کو ڈھونڈا جو اسے برآمدے میں تخت پوش پر بیٹھی اپنا اور دادی کا سوٹ کاٹتی نظر آئیں۔ اماں نے کپڑے بدل لیے تھے، یقیناً اماں کا مثانہ پھر دغا دے گیا تھا۔ کشور نے سکون کی سانس لی کیونکہ ایک دفعہ اماں کپڑے بدل لیتیں تو مزید نہیں ہنستی تھیں۔ شاید دادی ٹھیک ہی کہتی تھیں کہ تمہاری ماں ہنستی ہی کپڑے بدلنے کے لیے ہے۔ ہاہاہا..... اسے کچن میں کھڑے ہنسی آ گئی۔ ابھی وہ مزید ضرور ہنستی اگر کوئی زور، زور سے گیٹ نہ دھڑ دھڑاتا۔

کشور نے گھڑی کی سمت دیکھا، ٹائم تو ابا کے آنے کا تھا مگر گیٹ کھلوانے کا انداز ابا کا نہ تھا۔ اس نے تجسس سے گیٹ کی سمت دیکھا جسے اماں کھولنے جا چکی تھیں جبکہ دادی بھی ٹانگوں سے کمبل ہٹا کر اٹھ کر بیٹھ چکی تھیں۔

''کیا ہوا جی..... ! خیر تو ہے پوپے کے ابا.....؟'' دروازے پہ واقعی ابا ہی تھے اور ان کے پیچھے کشور سے سال چھوٹا شاہد عرف پوپا تھا۔ دونوں ہی بے حد غصے میں تھے۔ اماں نے جلدی سے مونڈھا کھینچ کر ابا کو دیا جبکہ پوپا، دادی کے پاس ٹک گیا۔ کشور نے جلدی سے پانی کا گلاس بھرا اور جالی والا دروازہ کھولتی باہر نکل آئی اور ابا کو گلاس پکڑاتے ساتھ ہی پوچھ ڈالا۔

''کیا ہوا ہے آپ کو' بابا جان؟'' اتنے غصے میں کیوں ہیں آپ؟ لیجیے پانی پیئیں۔'' جبکہ ابا نے غصے میں ہاتھ مار کر گلاس کو پرے جھٹک دیا۔ جس کی وجہ سے قریب بیٹھے پوپے کو اچھی ٹھنڈ میں تراوٹ پہنچ گئی۔

''یہ جو تو نے مجھے ابا جان سے ''بابا جان'' بنانے کا سیاپا ڈالا ہے ناں یہ سب اسی کا قہر ہے مجھے۔'' ابا نے کشور کو لال، لال آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھی نہیں بابا جان، ہوا کیا ہے؟''

''ابا کہہ ابا..... سمجھی !'' ابا جھٹکا کھا کر بولے تھے جبکہ جھٹکے سے کشور بدک کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''کیوں غصہ کر رہے ہیں، ہوا کیا ہے آخر؟ بتائیں بھی تو سہی.....؟'' اب کے اماں نے پوچھا تھا۔

''جب سے پنڈ سے شہر میں آئے ہیں، اس کڑی نے سیاپا ڈالا ہوا ہے، شہری بنو، شہری بنو۔'' ابا نے کشور کی نقل بھی اتار چھوڑی۔ ''شروع میں تو میں بھی خوش ہوا تھا ''بابا جان'' بن کر پر ناں جی..... میرے مرے پیو کی توبہ میں ابا ہی بھلا۔'' ابا نے سچ میں کانوں کو ہاتھ لگایا۔

www.urdupalace.com

''اچھا بھلا میرا حلیہ تھا، گرمیوں میں لنگی کرتا اور سردیوں میں شلوار قمیص۔ اسے پتا نہیں کیا تکلیف ہوئی جو میرے لیے ''سفری سوٹ'' (سفاری سوٹ) پکڑ لائی۔ اور آج صبح زبردستی مجھے پہنایا تھا اس نے.....

''بابا جان، پہن لیں ناں..... بالکل محمد علی لگیں گے آپ۔'' ایک بار پھر کشور کی نقل اتاری گئی جس پر وہ محض جز بز ہو کر رہ گئی تھی جبکہ پوپے اور اماں کو ہنسی آ گئی تھی۔

''لے دس..... مجھے بھی بھلا باؤلے کتے نے کاٹا تھا جو میں اس کی باتوں میں آ گیا۔ کریانے کی ہٹی ہے میری، اب تو خود سوچ پوپے کی ماں..... اپنی ہٹی پہ میں یہ ''سفری سوٹ'' پہنے بیٹھا کیسا لگ رہا ہوں گا؟ میری ساری دکھ (شو) کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا اس نے۔ جو بھی ہٹی پہ سودا تلوانے آیا مجھے سر سے پاؤں تک یوں گھور کر گیا جیسے میں اپنے ولیمے کے اسٹیج پر بیٹھا ہوں۔'' اماں نے ابا کی آخری بات پہ ناگواری سے پہلو بدلا اور دل میں دو باتیں بھی لگا دیں۔ (بڈھے ہو گئے پر ولیمہ کرانے کا چاہ نہیں گیا، ساٹھے پاٹھے نہ ہوں تو.....)

''چلو یہاں تک تو ٹھیک تھا۔'' اب کے ابا نے اماں سے نظریں چرائی تھیں۔ ''ولیمے والا مذاق تو یار دوست کرتے ہی ہیں پر جب سامنے گلی میں جو امام صاحب رہتے ہیں ناں..... انہوں نے مجھ سے دو کلو چینی تلوا کر میرے کپڑوں کو گھورا تو میں تو مانوں تریلیو تریلی (پسینے پسینے) ہو گیا۔ اور پھر جاتے، جاتے مجھے چونڈی (چٹکی) بھی وڈ گئے۔ کہنے لگے۔ ''کرم دین اچھا بھلا بندہ ہے تو، نماز بھی میرے پیچھے پڑتا ہے۔ پھر تیری مت کو لی (الٹی) کیوں ہو گئی جو دشمنوں کا لباس ٹانگ کر آ گیا ہے۔ صحبتیں تو تیری بھلی ہیں ناں آج کل..... لے دس اب اس عمر میں میں نے پیڑے مندے یار تو نہیں بنانے ناں..... بڑی مٹی پلید ہوئی آج تو میری..... تو ایسا کر.....'' ابا نے اماں کو مخاطب کیا جو کشور کو کینہ توز نظروں سے گھور رہی تھیں جبکہ کشور کا سارا دھیان دادی کی ''ٹوپی'' کی طرف تھا اور دادی کا سارا دھیان ابا کی باتوں کی طرف تھا۔

''تو ایسا کر مجھے تو کل سے سیدھا، سیدھا شلوار قمیص دے اور یہ جو ''سفری سوٹ'' ہے ناں یہ تو اپنے نکے کو بھجوا دے۔ وہ طبیعتاً ویسے بھی چھچھورا رہے۔ بڑے شوق سے پہن لے گا یہ سوٹ۔''

''ناں، وہ کیوں چھچھورا ہونے لگا۔'' اماں کو بھائی کے لیے ایسے القابات انتہائی ناگوار گزرتے تھے، حالانکہ نگینے کی طرح فٹ بیٹھتے تھے۔

''تمہارے وڈے بھرا۔ یعنی اپنے جیٹھ کو نہ بھیج دوں، وہ تو ایک دفعہ پہن بیٹھا تو نہاتے وقت بھی نہ اتارے گا۔ یاد ہے ناں..... پچھلے مہینے جو آپ نے ٹھیلے سے کالی عینک لے کر بھیجی تھی پوپے کے ہاتھ اللہ معافی..... توبہ..... ! حد ہوتی ہے چولیں مارنے کی بھی..... دو دن بعد جب پوپا واپس آیا تھا تو اس نے بتایا تھا مجھے کہ..... اماں، تایا تو رات کو سونے کے وقت بھی عینک نہیں اتارتا۔ صحن میں منجی (چارپائی) ڈال کر، کھوپے (عینک) چڑھا کر سوتا ہے کہ سویرے، سویرے دھوپ تنگ نہیں کرتی، دو دن تو یوں ہی سویا تیسرے دن صبح آنکھ کھلی تو سارے صحن میں رُولا ڈالتا پھر رہا تھا۔

''او..... میری آنکھوں میں موتیا اتر آیا..... او..... میرے ربا مجھے معاف کریں، میری آنکھوں میں موتیا اتر آیا۔'' وہ تو پوپے نے ہی اپنی تائی کے کان میں جا کر کہا۔ ''تائے کی عینک اتر واؤ، اس کے شیشوں پہ کوّے نے وٹھ (بیٹ) کر دی ہے جسے وہ موتیا سمجھ رہا ہے..... میرے بھرا کو چھچھورا کہتے ہیں، اونہہ.....'' اماں نے جی بھر کر غصہ نکالا تھا۔ ابا کے لتے لینے کے چکر میں تایا کو رگڑ ڈالا تھا اور یہ بات بھلا دادی کو کیسے ہضم ہوتی، تبھی بہو کو للکارا۔

''اے فضیلت..... منہ سنبھال، نہیں تو منہ میں وٹے (پتھر) ڈال دوں گی..... سمجھی۔ بڑی آئی میری پتروں کو پُتنے (چھاننے) والی۔ اپنی کڑی کو لگام ڈال، شہری بننے کے چکر میں سبھی کے دماغوں کے ڈھکن موندے (الٹے) مار رہی ہے۔ لے دس۔ اچھا بھلا بیبا میرا پتر جس کو سویرے بغلا (بگلا) بنا کر بھیج چھوڑا اہٹی پر۔''

www.urdupalace.com

دادی نے بروقت ابا کو کمک پہنچائی تھی۔ جواباً ابا نے ایسی نظروں سے اماں کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں اب بول۔"

"وے پوپے۔" اب کے دادی نے پوپے (شاہد) کو جھنجوڑا۔

"تجھے کیا تکلیف ہے..... منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟ تیرے ٹانکوں میں کوئی مرگ ہوگئی ہے..... ہاہاہا....." دادی کو اماں کا میکا مارنے کا بڑا شوق تھا۔

"کچھ نہیں دادی، اپنی تو عزت ہی تار، تار ہوگئی آج۔ کچھ باقی نہیں رہا۔ کسی کو منہ نہیں دکھا سکوں گا اب۔ زندگی سے دل اچاٹ ہوگیا میرا تو۔"

"ناں..... مجھے بتا تو ابے کے ساتھ ہٹی پہ گیا تھا یا سینما دیکھنے؟ شکل تیری "کاں" (کوا) جیسی اور ڈائیلاگ بول رہا ہے تو دلیپ کمار کے۔" دادی نے پوپے کی شکل پہ چوٹ کر کے اس کی گردن پہ پیر دھرا تھا۔

"دادی، ہزار بار کہا ہے مجھے کاں نہ کہا کریں، میرے یار بیلی مجھے وحید مراد جیسا "نمکین" کہتے ہیں۔" پوپے نے فخر سے گردن اکڑائی۔

"آہو..... کالے نمک جیسا نمکین....." اب کے کشور نے لقمہ دیا تھا۔ نتیجتاً دادی، پوپا، ابا اور اماں چاروں کی قہر بار نظریں اکٹھی اس پر پڑی تھیں۔

"اسی کی وجہ سے دادی....." پوپا ایک دم کشور پر انگلی تان کر ابا کی طرف پیٹھ کیے کھڑا ہوا تھا۔ جسے کسی وجہ سے ابا نے پینٹ سے کھینچ کر بٹھایا تھا۔

"اس نے دادی، اس نے مجھے یہ نئی پینٹ لا کر دی تھی کہ آج کل لاہور میں فیشن ہے۔ کولھوں سے نیچے گری ہوئی پینٹ کا..... پر دادی..... قمیص اس نے مجھے پیچے کی پہننے کو دے دی تھی۔ جو مجھے چھوٹی تھی اور آج جب میں ہٹی سے کسی کام کو باہر نکلا تو سب مجھے دیکھ، دیکھ کر ہنسنے لگے۔ پہلے تو مجھے پتا نہیں چلا پر جب محلے کے بچے اکٹھے ہو کر میرے پیچھے لگے تو میں کھٹک گیا۔ اب مجھے کیا خبر تھی کہ میرے "پچھواڑے" کیا چل رہا ہے؟ وہ تو جب ریاض درزی نے ہانک لگائی ناں..... اُف مت پوچھیں دادی..... مت پوچھیں۔ اس کشور کی وجہ سے آج میرے پچھواڑے کیسا اندھیر مچا ہے۔ وہاں کون تھا، جو مجھے پر ہنسا نہیں..... اور یہ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ نہ یہ مجھے ایسی پینٹ لا کر دیتی، نہ میری چٹی چادر کو داغ لگتا۔" پوپے کے جذباتی اسٹائل میں جاری کیے گئے بیان نے کشور کی زبان پر پھر کھجلی کر ڈالی تھی۔

"میرا کوئی قصور نہیں ہے شاہد....." کشور پوپے کو اصل نام سے ہی بلاتی تھی۔ "یہ تم اماں سے کہو، جو تم دونوں بھائیوں کو پندرہ، پندرہ روپے والے لال اور پیلے "جانگیے" لا کر دیتی ہیں..... میں تو خود بڑا منع کرتی ہوں مگر میری....." دادی کی دہاڑ نے کشور کا منہ بند کر دیا۔ جس کے نزدیک قصور اب بھی "گرتی پینٹ" کا نہیں تھا۔

"تو بک بک بند کر، تو نے ہی سب کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ تو خود کتنی شہری ہے۔ شکل سے ہی اپلے تھاپنے والی بھنگن لگتی ہے۔ شرم نہ آئی تجھے بھائی کو آدھا کچا (ڈھکا) اور آدھا ننگا بازار بھیجتے ہوئے اور پپو کو بگلا بنا کر....." ابا جو غصہ نکال لینے کے بعد بڑی حیرت سے دادی کی شکل کافی دیر سے دیکھ رہے تھے، خود کو بچوں کے سامنے ایک بار پھر بگلا بنائے جانے پہ تڑپ اٹھے۔

"کیا اماں تو بھی..... اب بس بھی کر..... مجھے بگلا کہے جا رہی ہے، ذرا یہ بتا..... اپنے ساتھ تو نے کیسا ظلم کیا ہے؟ کیا سارے محلے نے آ کر تجھے مہندی تھوپی ہے جو سر پہ جگہ نہیں رہی تو منہ بھی لپیٹ میں لے لیا۔" ابا نے کامیابی سے دادی کا دھیان بگلے سے ہٹا کر اُن کی خود کی طرف موڑا تھا۔

"کیا ہانک رہا ہے پتر.....؟ دماغ کو بستی (بے عزتی) تو نہیں پڑھ گئی تیرے.....؟ مجھے کیوں پورے محلے نے مہندی لگائی تھی بھلا..... یہ تو میں نے کچھو سے ہی لگوائی ہے۔" کشور کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے، جتنی مرضی کوشش کرتی تھی کچھو کا دم چلا ہٹانے کی مگر ناکام رہتی..... پر اس وقت متوقع "چھترول" سے بچنے کے لیے کھسکنے میں ہی عافیت تھی۔

"او..... پوپے جا ذرا پتر..... شیشہ تو لے کر آ ذرا۔ تیری دادی کو اس کے درشن کراؤں۔" ابا نے

www.urdupalace.com

سکون سے کرسی سے کمر ٹکاتے پوپے سے کہا۔ اماں بھی چپ چاپ کھانا لگانے کی خاطر کچن میں کھسک لی تھیں، پوپا شیشہ لے کر آیا اور لہرا کر دادی کے سامنے کیا۔

''ٹن، ٹناں ں ں..... لیں دادی نظارہ کریں۔''

پوپا بتیسی نکالتا بولا۔

''کم بخت..... اپنی شکل کیوں دکھا رہا ہے، بھوتنے۔ میری طرف شیشہ کر۔'' دادی اپنی صورت پہچان نہیں پائی تھیں۔

''دادی غور سے دیکھیں، یہ آپ کا ہی رخِ روشن ہے۔'' پوپا برا مانتے ہوئے بولا۔

''او..... تیرا بیڑا غرق کشور..... ہائے میں مر گئی..... کچھو تیرا ستیاناس نکمی..... ہڈ حرام نہ ہو تو..... وڈی آئی تو شہرن..... دیسی مرغی (مرغی) ہو کر ولایتی بانگیں دینے والی، باہر نکل ذرا.....'' دادی پورے صحن میں چکرائی، ہاتھ سے مہندی رگڑ، رگڑ کر اتارے جا رہی تھیں۔ ساتھ، ساتھ کشور کو کوسنے بھی جاری تھے۔

ان کی حالت سے محظوظ ہوتے ابا کب کے انہی کی چارپائی پر لیٹے دھوپ کا مزہ لینے لگے تھے۔ پوپا کپڑے بدلنے کمرے میں جا چکا تھا۔ جبکہ کشور اسٹور میں لحافوں کے پیچھے دبکی بیٹھی تھی۔

اب اسے دادی کا غصہ ٹھنڈا ہونے کا وہیں بیٹھے، بیٹھے انتظار کرنا تھا۔

☆☆☆

جمعہ، جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے، اس سارے ٹبر کو ''شوقیہ'' اندرونِ شہر شفٹ ہوئے۔ حالانکہ پنڈ میں بڑا ٹیکا تھا۔ اور ابا پہ کشور کا بڑا ''ٹیکا'' تھا۔ روز کان میں شہر میں رہنے کے فوائد پھونکتی تھی۔ ابا بھی آخر انسان تھے۔ انہیں لگا وہ شہر جا کر واقعی زیادہ باعزت ہو جائیں گے۔ لہٰذا زمینیں بیچ کر ایک دس مرلے کا مکان لیا۔ جانور سارے بڑے بھائی کے حوالے کیے تاکہ ان کی دیکھ ریکھ ہو سکے اور یہ پورا چھ افراد کا کنبہ شہر شفٹ ہو گیا۔ سچی بات تھی شروع میں تو دادی بھی بڑی خوشی، خوشی ساتھ روانہ ہوئی تھیں اور بڑی مسرت سے بے بے .... سے دادی بننا قبول کیا تھا۔ اسی طرح باقی سب افراد نے بھی بخوشی ابا سے' بابا جان، پوپے سے شاہد اور بیجے سے پرویز تک کا سفر کیا، کچھو کی جون تو پنڈ میں ہی بدل گئی تھی۔ صرف ایک اماں تھی جو ابھی تک اماں تھیں کیونکہ اماں نے کچھ بھی بننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ شروع، شروع میں جب کسی بچے نے لاڈ میں آ کر ماما کی ہانک لگائی بھی تو اماں دوڑی چلی آئیں۔

''آئے ہائے، میں صدقے، میرا ویر آیا ہے؟ کدھر ہے تم لوگوں کا..... ماما۔'' بس اس کے بعد کشور نے اماں پر محنت کرنا بند کر دیا پر اب دادی کو گاہے بگاہے پنڈ کا ہڑکا لگ جاتا تھا۔ کبھی انہیں اپنی نجیں (بھینس) چھترے بکرے، بکریاں اور مرغیاں یاد آنے لگتیں اور کبھی پنڈ والے گھر کا وہ لمبا چوڑا سا ویہڑا (صحن)۔ دادی کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں سب ہی پاس قریب کے پنڈوں میں بستے تھے۔ اماں نے بہتیرا کہا کہ اگر آپ کا دل نہیں لگتا تو پنڈ، کسی بھی پتر کے پاس چلی جائیں۔ پر دادی نے بھی اماں کی خواہش پوری کر کے نہ دی۔ انہیں بھی نہ، نہ کرتے شہری سہولتوں کا چسکا لگ گیا تھا۔ جس میں سرِفہرست ''کیبل کی سہولت'' تھی۔ فجر پڑھ کر دادی جو ٹی وی کے آگے ٹکتیں پھر ظہر کی اذانوں پہ ہی اٹھتی تھیں۔

پنڈ سے آ کر ابا نے ایک چلتا ہوا جنرل اسٹور خرید لیا تھا، جسے ابا نے مزید اچھی حالت میں کر لیا تھا۔ زندگی ایک مخصوص روٹین پہ سیٹ ہوئی تو کشور نے سب کو ''شہری پولش'' کرنے کا اہتمام کیا۔ لہجوں سے لے کر اٹھنے بیٹھنے تک سب کے انداز و اطوار سنوارنے میں جت گئی۔ اور ابھی تک سب ہی بلا چوں و چرا اس کی باتوں پہ عمل بھی کر رہے تھے جو آج والا واقعہ رونما نہ ہو جاتا۔ اب ابا، اماں، دادی اور پوپا تو شہری بننے کی فہرست سے خارج ہو گئے تھے۔ بچے تھے تو کشور اور سب سے چھوٹا پرویز عرف پیجا..... جو دسویں جماعت کا طالب علم تھا اور مکمل کشور کا حمایتی و مددگار..... اب دیکھنا یہ تھا کہ اس رسہ کشی میں جیت کس کی ہوتی ہے اور

www.urdupalace.com

کون کس کے رنگ ڈھنگ اپناتا تھا۔

☆☆☆

''اے فضیلت..... یہ اپنی کشور اب بیاہ کے لائق ہوگئی ہے۔ میرا خیال ہے اس کے تائے کو بلوا کر بات کروں اب..... آ کر لے جائے اپنی امانت.....'' دادی نے تار پر کپڑے پھیلاتی کشور کو دیکھ کر کہا۔

وہ حسبِ معمول صحن کے بالکل بیچ چارپائی ڈالے مالٹے چوس رہی تھیں۔ دادی ہمیشہ مالٹوں کو بیچ سے کاٹ کر کالا نمک ڈال کر چوسا کرتی تھیں۔ پھانکیں بنا کر نہیں کھاتی تھیں۔ اسی چارپائی کے ایک طرف اماں بیٹھی پالک کے پتے چھانٹ رہی تھیں۔ دادی کی بات پر انہوں نے نظر اٹھا کر کشور کو دیکھا جبکہ دوسری طرف کشور نے بھی منہ پھیر کر دادی پر ایک نظر ڈالی مگر جلدی سے رخ واپس موڑ لیا تھا۔ جب سے دادی کے منہ کو مہندی کا رنگ چڑھا تھا کشور، دادی کو دیکھنے سے گریز ہی کرتی تھی۔ کیونکہ انہیں دیکھ کر ہنسی روکنا محال ہوتا تھا اور وہ بڑی مشکل سے پہلے ہی دادی کے عتاب سے بچ پائی تھی۔ اس وقت بھی اس نے بہ مشکل اپنی ہنسی دبائی تھی۔ پیلی چمکتی دھوپ میں بیٹھی دادی، دادی کا چمکتا ''مالٹے'' رنگ کا منہ اور منہ سے لگا آدھا کٹا مالٹا ہنسی نہ آتی تو اور کیا ہوتا..... حیرت تھی کہ اماں بغیر ہنسے کس طرح بیٹھی تھیں۔

''ہاں بے بے..... میرا بھی یہی خیال ہے کہ پاکرم داد کو بلوا کر کشور اور آصف کے بیاہ کی بات کر دینی چاہیے۔'' اماں کی سوچتی نظریں پھر بیٹی پر آ ٹھہریں۔

''میں تو کہتی ہوں کہ چڑھے چاند کی تاریخ دے دیں گے، کون سا غیروں میں جا رہی ہے جو ستر سیاپے کرنے ہیں، اپنوں میں جا رہی ہے، چار جوڑے دے کر ٹھیل دینا (جان چھڑانا)۔'' دادی کو کچھ زیادہ ہی جلدی تھی۔

''نہ بے بے وہ کیوں.....؟ ٹھیلنا ایویں ہی ہے، میرے کون سے درجن بال ہیں، تین تو بچے ہیں اور اکو اِک کڑی..... اس کو بھی مغرولا دوں۔'' اماں کو دادی کا جان چھڑانا قطعاً نہیں بھایا تھا۔

''ناں، تو کس نے کہا تھا کہ تین ہی جم (پیدا) کے ہاتھ جھاڑ بیٹھ..... ہوتی تو میرے وقت کی تو تجھے پتا چلتا۔ تین بچے ہونا کتنی نموشی (بے عزتی) کی بات ہے۔'' دادی کو اماں کی تھوڑی اولاد کا بڑا قلق تھا۔ ان کے نزدیک کم از کم بچوں کی تعداد چھ مناسب تھی۔ ہاں جو اس سے تجاوز کر جائے تو وہ ''زندہ باد.....''

''ناں تو بے بے! میرے ہاتھ اختیار میں ہے کیا؟ شکر ہے اللہ کا، بے اولاد تو نہیں ہوں ناں.....''

''تو اور کیا دادی.....'' کشور چھپاک کی آواز کے ساتھ تولیا پانی سے بھرے ٹب میں پھینک کر میدان میں کودی..... انداز تقریر والا تھا۔

''بہت ہو چکا ظلم و جبر دادی! اب وہ دور لد گئے۔ جب جمعے کے جمعے ایک ''نیا کاکا'' ٹیکے کے نیچے سے نکلا کرتا تھا۔ عورت کو مشین سمجھا جاتا تھا..... تو یہ..... دے بچے پہ بچہ دے بچے پہ بچہ..... یہ بھی بھلا کوئی زندگی تھی۔ میں تو کہتی ہوں.....'' ابھی کشور کو کچھ اور بھی کہنا تھا مگر بائیں کندھے سے اماں کا جوتا، چھوتا ہوا بڑی تیزی سے گزرا تھا۔ یہ دیکھ کے دادی کو بھی جوش چڑھا اور بولیں۔

''دے فضیلت! دے جوتے پہ جوتا..... دے جوتے پہ جوتا.....'' دادی کا بس چلتا تو جس طرح کشور نے ان کا منہ مہندی سے لال کیا تھا۔ ویسے ہی وہ بھی کشور کا کر دیتیں۔ (مگر چپیڑوں سے)

''لے دس..... بے ہدایتی نہ ہو تو..... کیسے منہ پھاڑ کر بچے پہ بچہ پیدا کروائے جا رہی ہے۔ بے شرم نہ ہو تو..... ہم نے تو کبھی نہیں سنا کہ کسی کے گھر جمعے کے جمعے کاکا... ہوتا ہو۔ اور ٹیکے بھی بھلا کاکے دیتے ہیں؟ پٹھی مت والی نہ ہو تو.....'' دادی نے اس کی تقریر کا وہی بنا دیا تھا جبکہ کشور کینہ توز نظروں سے دونوں کو دیکھتی کندھا سہلا رہی تھی۔

''اماں سن لیں آپ دونوں، اول تو میری مرضی ہنڈ میں شادی کروانے کی ہے ہی نہیں۔ پھر بھی اگر

www.urdupalace.com

میرے مقدر ماڑے نکلے اور ایسا ہو گیا تو تایا کو بتا دینا کہ انہیں اپنے پورے ٹبر سمیت شہر آنا ہوگا۔ میرا نہیں گزارہ اب پنڈ شنڈ میں۔'' وہ سخت لہجے میں دادی اور ماں سے مخاطب ہوئی۔

''ناں تیرے بوتھے پہ ستارے ٹنگے ہیں جو تیری ساری فرمائشیں پوری ہوں، چپکی بیٹھی رہ اب۔ اور یوں گلا پھاڑ، پھاڑ کے بولنا بند کر دے۔ نہیں تو تیری آواز بھی..... فلاں جیسی ''کھردی'' (کھردری) ہو جائے گی۔'' انہوں نے ایک مشہور سیاسی خاتون کا نام لیا۔

''اونہہ..... صورت باجیاں، آواز بھائیاں۔'' دادی نے چونکہ کشور سے متاثر ہونا بالکل چھوڑ دیا تھا..... سو خوب لتے لیے۔

''آپ لوگ بھی دیکھ لینا پھر.....'' کشور نے غصے میں ٹونٹی بند کی اور کپڑے یونہی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اگر میں ابا کو شہر لا سکتی ہوں تو سسرال بھی لا سکتی ہوں..... ہاں.....'' تن فن کرتی کشور خاتون کپڑوں سے جان چھڑاتی اندر گم ہو گئی تھی۔

''ہو..... ہائے بے بے..... یہ کیا کہہ گئی ہے؟ بیچ میں اس نے نہ کر دی تو.....؟ یا کل کو سسرال میں بھی پواڑا ڈال دیا، شہر آنے کا..... پھر کیا ہوگا؟ لوگ تو ہمارے سروں میں کھے (خاک) ڈالیں گے۔'' اماں کے لہجے میں فکرمندی جھلک رہی تھی۔

''او تو فکر نہ کر فضیلت، یہ صرف گرج کر گئی ہے، برسے گی نہیں، ہماری تربیت میں کھوٹ نہیں، بچی کڑیاں آپ بستی ہیں، منڈے نہیں بساتیں، دیکھ لیں..... اس کا حال بھی وہی ہوگا..... ''میں آئی..... بُوگوائی۔''

دادی مزے سے سر دھنتی ہوئی بیچ بیچ کی آواز کے ساتھ مالٹا چوستے ہوئے بولیں۔

''کیا مطلب بے بے، میں آئی..... بُوگوائی کا؟'' اماں کے سر سے اکثر دادی کے محاورے بغیر قیام کیے گزر جاتے تھے۔

''دیکھ، جب یہ پنڈ میں تھی، تو خوش تھی، اسی ماحول میں رچی بسی ہوئی تھی۔ شہر آئی تو یہاں کے رنگ ڈھنگ اپنا لیے۔ یہ سمجھتی ہے اس نے ہمیں بدلا ہے جبکہ یہ خود ہی اردگرد کا ماحول اپناتی ہے اور سمجھتی ہے کہ باقی سب کو اپنی مرضی کا ڈھال لیا ہے، بس یہی ساری بات ہے، یہ جدھر جائے گی ویسے ہی ڈھل جائے گی اور ویسے بھی پنڈ میں اب کون سی سہولت ہے جو نہیں ماسوائے گیس کے۔ باقی بجلی ٹھلی سب ہے، تو فکر مت کر.....'' دادی نے اماں کو ان کی بیٹی کی نفسیات سمجھانے کی اپنی سی سعی کی تھی۔ اماں کچھ سمجھی اور نا سمجھی کی کیفیت میں دادی کو ایک اور مالٹا چیرتے دیکھنے لگیں۔ پھر کچھ دیر دادی کے مالٹے گننے کے بعد۔ جو کہ سات تو ضرور بنے تھے اپنی جگہ سے اٹھیں اور کشور کے چھوڑے کپڑے دھونے چل دیں۔

☆☆☆

شادی ہوئی اور بڑے ٹھسے سے ہوئی۔ تایا اور تائی کچ وچ کے کشور کو بیاہنے آئے تھے۔ تایا کالے کھوپے (عینک) لگانا نہیں بھولے۔ شہری بہو بیاہ لے جانے کی خاطر تائی ساڑی پہن کر آئی تھیں۔ جو ساڑی کم اور دھوتی زیادہ لگ رہی تھی۔ پتا نہیں کس سے بندھوا بیٹھی تھیں کہ ساری فال دائیں ٹانگ کی طرف کھسکی ہوئی تھی اور بائیں طرف سے ساڑی ٹخنے سے اوپر اٹھی ہوئی تھی۔ تائی نے ساڑی پہلے کب باندھی تھی۔ جو چلنے پھرنے کی پریکٹس ہوتی۔ دو قدم چل کر یوں جھٹکا کھاتیں جیسے کسی نے دھکا دیا ہو۔ دادی کو تو رہ، رہ کر تاؤ آ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد سب کی نظر بچا کر دادی نے تائی کو ساڑی کے پلو سے کھینچ کر اپنے ساتھ کرسی پر بٹھا دیا اور ڈپٹ کر بولیں۔

''ہیں..... زہرہ! تجھے یہ ''الماس بوبی'' بن کر آنے کو کس نے کہا تھا.....؟ اس سے تو اچھا تھا تو خصم کا لاچا پہن آتی، کم از کم ٹور تو تیری سہی رہتی۔ ابھی تو ایسا لگ رہا ہے جیسے تجھے ''قبض'' نے بے چین کر رکھا

www.urdupalace.com

ہے۔'' یہ کہہ کر دادی خود ہی ہنسنے لگیں۔ جبکہ تائی نے پتر کے دیاہ کے موقع پر ساس کے منہ لگنا مناسب نہیں سمجھا۔

سب کچھ بخیر و خوبی ہوگیا۔ کشور خاتون رخصت ہو کر اسی پنڈ پہنچیں، جہاں کی خاک تھیں۔ کچھ زیادہ پرانی بات بھی نہیں تھی مگر کشور کو یوں ہی لگتا تھا کہ وہ تو پیدائشی شہری ہے، پتا نہیں پنڈ میں کیسے رہے گی؟

''نہیں بھی نہیں..... ہولے، ہولے وہ ان سب کو بھی شہر لے آئے گی۔'' یہ پروگرام محض اس نے دل میں ترتیب دے رکھا تھا۔

پنڈ پہنچ کر وہ تمام رسمیں ہوئیں جن کا کبھی ماضی میں کشور بھی حصہ رہی تھی۔ ہر بیاہ میں اور رسم میں وہ آگے، آگے ہوتی تھی۔ مگر اس وقت کوفت اور تھکن اعصاب پر پوری طرح سوار تھے۔ کچھ رسمیں ادا کرنے والی عورتوں کے کپڑوں اور سروں سے عجیب سی باس اس کے دماغ کے بیچ کھولے دے رہی تھی۔

آخر تائی کو اس کے حال پر رحم آیا اور اسے کمرے میں پہنچایا..... کمرے میں پہنچ کر، اپنے آرام دہ ''جہیزی مسہری'' پر بیٹھ کر اس نے سکون سے پاؤں پسار لیے تھے۔ اسے نیند کے شدید جھونکے آرہے تھے کہ جب دروازے پر کھٹکا ہوا۔ وہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ آنے والا آصف تھا۔ کشور نے شہری کڑی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے گردن اکڑا کر اسے دیکھا۔ مگر اس کا دھیان ہی کب تھا کشور پر..... اس کی موٹی، موٹی آنکھوں میں نیند کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

آصف دھپ سے کشور کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا۔ کشور کو پہلی بار زندگی میں تھوڑی شرم آئی۔ آصف نے بڑی چاہ سے اس کا ہاتھ تھاما، کشور نے سر جھکا لیا۔ اسے انتظار تھا کہ آصف اسے اب رونمائی کے طور پر انگوٹھی یا کوئی کنگن، شکن پہنائے گا۔ آصف نے بڑے پیار سے کشور کو پکارا۔

''کشور.....''

''جی.....'' کشور نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''میں آکھیا سو ہنیو..... ہون سو جاؤ، سویرے ولیمہ وی کھانا اے.....'' (میں نے کہا سو ہنیو..... اب سو جاؤ صبح ولیمہ بھی کھانا ہے)

اور کشور کا دل چاہا کہ ایک زوردار مکا آصف کے پھولے پیٹ پر مارے جو یقیناً بارات کے کھانے کی وجہ سے ابھر آیا تھا۔ جس وقت رخصتی سے پہلے بارات کا کھانا کھلا تھا۔ تب اس کی سہیلیوں نے اسے بتایا تھا کہ ''کشور تیرا دولھا تو لگتا ہے ایک ہفتے کا بھوکا ہے، سب سے پہلے وہی میز کی طرف لپکا ہے اوپر سے شوربے والا سالن چاولوں پر ڈال رہا تھا تو پوری آستین کو سالن میں ڈبو بادے دیا۔''

مگر چونکہ کشور کے دماغ میں اس کی خود کی منطقیں گردش کرتی تھیں لہٰذا فکر کو سوار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ تو اپنے تئیں پنڈ جا ہی سب کو بدلنے کے لیے رہی تھی۔ آصف کا بارات کی خوراک سے بھرا پیٹ اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ وہ نہ صرف کھانے بلکہ بے تحاشا کھانے کا شوقین ہے اور بیوی سے دو میٹھی باتیں کرنے کے بجائے اسے صبح کا انتظار تھا۔ جب وہ ولیمہ ٹھونس سکے۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ کسی زوردار بھیانک آواز نے اس کے حواس گم کر دیے۔

''اووو.....''

''اللہ معافی! ڈکار ہے یا ڈرون اٹیک کیا ہے اس بندے نے؟'' کشور حیرت میں گم تھی۔ آصف کے بھرے ہوئے پیٹ نے زوردار انگڑائی لی تھی جو بستر پر دراز شیروانی سمیت عنقریب نیند میں غوطہ کھانے والا تھا۔ کشور نے غور سے اس کی شیروانی کے پھڑکتے بٹن کو دیکھا جو عین پیٹ کے اوپر دم گھٹنے کے باعث ہک میں سے نکلنے کو بے تاب تھا۔ کشور کا جی چاہا اس بٹن کو خود ہی کھول کر آصف کے پیٹ کو آرام سے ''پھولنے'' کا موقع دے۔

''استغفر اللہ..... بلڈوزر نہ ہو تو.....'' شدید کوفت سے اس نے آصف کو اپنے لہنگے سے پرے لڑھکایا تھا اور اس لڑھکانے کے نتیجے میں آصف بیڈ سے نیچے کارپٹ پر لڑھک گیا تھا۔ پر اس راک اینڈ رول

www.urdupalace.com

میں بھی کھانے کی خماری کی شدت برقرار رہی تھی۔ کشور نے اسے یونہی چھوڑا اور خود باتھ روم کا رخ کیا۔

☆☆☆

"کشور پتر..... اٹھ جا پتر..... نماز پڑھ لے فجر کی۔ نہیں تو ویلا لنگ جائے گا۔ اور چڑیاں سارا دن بنیڑے پہ بیٹھی تجھے لعنتیں بھیجیں گی۔" تائی کی اپنی ہی منطق تھی۔ روز صبح اسی طرح فجر کے وقت سب کو اٹھاتی تھیں اور جو نہیں اٹھتا تھا تو اس کے حصے کی چڑیوں کو سارا دن بنیڑے پر لعنتوں کے لیے بٹھائے رکھتی تھیں۔

بڑی مشکل سے کشور نے آنکھیں کھولی تھیں۔ آصف تو تہجد کے وقت ہی زمینوں پہ نکل جاتا تھا اور یہ اس کی صفت تھی۔ رات کو کتنی ہی دیر سے کیوں نہ سوتا صبح بانگوں سے بھی پہلے اٹھ کھڑا ہوتا۔ دو ہفتے ہو گئے تھے کشور کی شادی کو اور ابھی تک تائی ہی آصف کو ناشتا کرا کر بھیجتی تھیں۔ ویسے بھی آصف کے لیے بھاری بھر کم ناشتا بنانا کشور کے بس کی بات نہیں تھی۔

کبھی ساگ اور مکئی کی روٹی، کبھی پراٹھے اور لسی..... وہ بھی زیادہ مقدار میں..... خود کشور کو دو ہفتوں سے یہی کچھ کھانے کو مل رہا تھا۔ مگر اسے احساس تک نہیں تھا کہ ناشتے میں چائے رس یا توس کھانے والی کو سسرال کتنا وزنی ناشتا کرا رہا تھا۔

اصلی گھی اور مکھن کا مزہ منہ کو دوبارہ لگ گیا تھا۔

کشور نماز سے فارغ ہو کر چپل اڑستی، شال لپیٹتی باہر صحن میں چلی آئی۔ تائی نے لکڑیوں کے بالن کو آگ دکھا دی تھی۔ اب اس پر پورے ٹبر کے دھڑا دھڑ پراٹھے پکنے تھے۔ پنڈ میں ہر طرح کی سہولت موجود تھی۔ ماسوائے گیس کے..... مگر تایا کے گھر گیس سلنڈر موجود تھا۔ یہ الگ بات کہ تائی اس کا استعمال نہیں کرتی تھیں۔ انہیں سلینڈر سے خوف آتا تھا۔ کبھی کبھار کشور کی جیٹھانی اسے ضرور استعمال کر لیتی تھی۔ کشور کی جیٹھانی ناہید بھی عجب آئٹم تھی۔ سات سال شادی کو ہو چکے تھے اور چھ بچے تھے۔ سال کے سال آبادی میں اضافہ کرتی تھی مگر اب بھی مزید کا کے کھلانے کا چاہ ختم نہیں ہوا تھا۔

www.urdupalace.com

ایک بار پھر ہونے والے نومولود کے لنگوٹ تیار تھے۔
ساتواں بچہ تھا پر الٹیاں کر کر کے بے حال ہوئی رہتی۔ جو بھی تھا کھاتی ڈٹ کر تھی۔ کشور کو حیرت ہوتی تھی کہ وہ دو پراٹھے ڈکار جاتی تھی اور پانچ منٹ بعد ہی کھُرے پر بیٹھی الٹ رہی ہوتی۔ بھلا...... اتنا ٹھوستی کیوں ہے......؟ یہ محض کشور سوچ کر رہ جاتی تھی۔
اس وقت بھی گھی کی خوشبو سے بچنے کے لیے ناک پہ شال کا کونہ دھرے اور سب سے چھوٹے پانچ ماہ کے بچے کو گود میں لیے تائی کے بالکل پاس بیٹھی پراٹھا اترنے کا انتظار کر رہی تھی۔
کشور نے گھڑیاں گننی شروع کر دیں۔ اِدھر ناہید نے دو پراٹھے ختم کرنے تھے اور اُدھر کھُرے کی طرف دوڑنا تھا۔
''ندیدی...... بھلا کھا ہی اتنا جتنا پچا سکے۔ کم بخت، دو پیڑوں کا آٹا کھُرے میں روڑ (بہا) آتی ہے۔'' کشور کو محض جی ہی جی میں تاؤ کھانا آتا تھا۔ پر ظاہر ہے، جیٹھانی کو کھانے سے تو نہیں روک سکتی تھی۔
ناشتے سے فراغت کے بعد تائی صفائیاں کرانے میں جت جاتیں۔ صفائی کے لیے پنڈ کی ایک میراثن آتی تھی جو تائی کے ساتھ ہانڈی روٹی کرنے میں بھی ہاتھ بٹاتی تھی، چونکہ کشور نے اپنے ہاتھوں کی مہندی ابھی اترنے نہیں دی تھی لہٰذا تائی اسے چولھے کے آگے بیٹھنے نہیں دے سکتی تھیں۔
تائی نے دو گائیں اور تین بھینسیں گھر کے پچھواڑے باندھ رکھی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی جانور تھے۔ پر وہ ڈیرے پر بندھے رہتے تھے۔ تائی اور ناہید خود گھر کے جانوروں کی دیکھ بھال کرتیں اور گوبرا اکٹھا کر کے اپلے تھاپتی۔ سامنے صحن کی ایک پوری دیوار اپلوں کی مدد سے بنائے گئے تجریدی آرٹ کا نمونہ تھی۔ جس وقت اپلے تھپتے تھے اگر بچے اسکولوں کو نہ گئے ہوتے تو تمام بچے گوبر پہ ٹوٹ پڑتے تھے اور پھر دیوار کے ساتھ، ساتھ وہ خود بھی اس قدر ہرے، ہرے ہو جاتے کہ ناہید کو ایک نظر میں پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ کون سا ''ہرا بچہ'' کون ہے؟

☆☆☆

''مبارک ہو بے بے......'' اماں دائیں چپل، بائیں میں اور بائیں، دائیں میں پھنسائے بھکتے قدموں سے دادی کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔
''مبارک ہو بے بے...... بڑی بڑی......'' اب کے دادی نے اماں کو گھور کر دیکھا جو ایک بار پھر اتنا جملہ کہہ کر خاموش ہو گئی تھیں۔
''ناں...... اٹھانوے بار ہور بول...... سو کی تسبیح تو پوری کرنا...... مبارک ہو بے بے، مبارک ہو بے بے بے''۔ دادی نے اماں کے ہی انداز میں نقل اتاری پھر یک دم اچھل کر بولیں۔
''کہیں تیرے پیکے میں کوئی چٹا بال (گورا بچہ) تو نہیں جم بیٹھا...... تبھی تو خوشی سے پاگل ہو گئی ہے۔ تیرے پچھلوں کے کالے چمکیلے رنگ جو ہوئے ہاہاہا......'' دادی نے بات پوری کر کے ٹھٹا لگایا تھا۔
''خیر بے بے...... ایسی بھی بات نہیں...... میرے پیکے میں اگر کوئی اتنا گورا نہیں تو کاسٹک سوڈا آپ کے ٹبر نے بھی نہیں ملا ہوا...... ہیں تو وہ بھی ڈب کھڑبے......''
''اتار لیا نہ بدلہ...... تو رہ سکتی ہے بھلا...... یہ جو تیرے بچے اتنے گورے ہیں ناں تو وہ اپنے دادکوں پر ہی پڑے ہیں، ماسوائے پوپے کے، ایک وہی تیرے پچھلوں پر گیا ہے بجھی......؟'' دادی نے ناراض ہو کر پہلو بدلا تھا اور کھری سنا دی تھیں۔
''ہاں، ہاں تبھی تو جب میری جنج (بارات) آئی تھی تو میری سہیلیوں نے مجھ سے کہا تھا کہ فضیلت تیری تو ساری جنج ہی دھوانکی ہوئی ہے۔ میری تو اماں کو فکر پڑ گئی تھی کہ لوگ کیا کہیں گے۔ بٹی کس یرقان کے مارے خاندان کو پکڑا دی۔'' اماں اپنے میکے کی عزت کی خاطر مبالغہ آرائی کی آخری حدوں کو چھو لیتی تھیں۔
''چپ کر جا، چپ کر جا...... پھولن دیوی کی ہم شکل۔'' دادی کا جلال عود کر آیا تھا۔ ''بھلا میں جانتی

www.urdupalace.com

نہیں...... تیری ماں کو سب سرے دانی کہتے تھے۔ بڑی آئی ''چھانی'' ہو کر ''چھج'' کو مہنے (طعنے) مارنے والی۔'' اب کے جواباً اماں نے کچھ نہ کہا بلکہ منہ پھلا کر رخ موڑ لیا۔ چند لمحوں بعد دادی کی ہی آواز پھر ابھری۔

''چل اب منہ سیدھا کر...... غصے میں ویسے بھی تیرا منہ فلاں جتنا وڈا ہو جاتا ہے۔ کہ متھے سے دیکھنا شروع کرو تو بل (ہونٹ) تک آتے، آتے پون گھنٹا مارا جاتا ہے۔'' دادی نے کسی کا نام لے کر اماں کو ہنسانا چاہا تھا اور اماں ہنس بھی دی تھیں۔ انہیں ہنستا دیکھ کر دادی نے فٹافٹ ٹوکا۔

''بس، بس...... تھوڑا ہنسیں! میں نے تخت پوش کی چادر سویرے ہی پوپے کو کہہ کر بدلوائی تھی۔'' اماں، دادی کے ہی تخت پوش پر براجمان تھیں لہٰذا دادی کی تنبیہہ لازمی تھی۔

''چل اب بتا بھی دے...... کون سی خوشی کی خبر سنانے آرہی تھی مجھے؟''

''ہاں...... وہ......'' اماں نے ماتھے پر ہاتھ مارا...... ''باتوں میں لگ کر ذہن سے ہی نکل گیا کہ کہنے کیا آئی تھی۔ وہ اپنی کشور کے گھر منڈا ہوا ہے، کل رات کو۔''

''کیا......؟'' دادی تو اچھل ہی پڑی تھیں۔

''اور تو اب بتا رہی ہے، اب بھی رہنے دیتی۔ خیر سے سال کا تو ہو لینے دیتی۔''

''میں تو بتانے ہی آئی تھی بے بے...... پر آپ نے ہی میرے پیکے کے لتے لینے شروع کر دیے تھے۔''

''حق ہاہ......'' دادی نے ٹھنڈا ہوکا بھرا تھا۔

''دیکھ فضیلت، وقت کتنی تیزی سے نکل جاتا ہے اور پھر جب کی کشور بیاہ کر گئی ہے، بس ایک واری ہی چکر لگ سکا ہے اپنا۔''

یہ بات واقعی سچ تھی کہ پے درپے کچھ ایسی مصروفیات آڑے آئی تھیں کہ نہ اماں پنڈ جا سکیں اور نہ دادی......

دادی صحن میں گریں تو پنڈلی کی ہڈی فریکچر ہو گئی۔ ابا کو گردوں میں کچھ مسئلہ ہوا تو ڈاکٹروں نے مکمل آرام کا کہہ دیا۔ پوپا، ہٹی میں مصروف اور چھوٹا بیجا کتابوں میں...... اور اماں ان سب کی دیکھ بھال میں مصروف...... کشور سے محض فون پر رابطہ تھا۔ پھر دائی نے کشور کو خوشی کی خبر دی تو ساتھ ہی سفر سے بھی منع کر دیا۔ کچھ تائی کی وہمی طبیعت نے بھی شہر کا منہ نہ کرنے دیا۔

اور اب جبکہ اللہ نے خوشی دکھائی تھی تو دونوں ساس، بہو کو بری طرح کشور کی یاد ستانے لگی۔ اب تو ابا بھی دوبارہ ہٹی پہ جانے لگے تھے۔ اگر دادی اور اماں بیجے کو ساتھ لے کر چلی بھی جاتیں تو پوپا ابا کی دیکھ بھال کر سکتا تھا۔ ویسے بھی دو دن کی تو بات تھی۔ اماں اور دادی کو تو مانو کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کہ کشور اور اس کے بچے کے لیے کیا، کیا سوغاتیں لے کر جائیں۔ دادی کی خوشی تو دیکھنے والی تھی۔ آخر کو ان کی تیسری نسل کا بچہ تھا۔ اور بوڑھے، کمزور، جسموں میں اگر کوئی چیز حرارت کا موجب بنتی ہے تو وہ اپنی نسل کو بڑھتے پھولتے دیکھنا ہے۔

☆☆☆

تایا کے لمبے چوڑے صحن میں خوب رونق لگی تھی۔ دادی کے پہنچتے ہی ان کے سارے بیٹے اور بیٹیاں تایا کے گھر جمع ہو گئے تھے۔

شدید سردی کے باعث دادی نے کشور اور اس کے بیٹے کو باہر صحن میں لانے سے منع کر دیا تھا کہ سب سے مل ملا کر وہ اور اماں کشور کے کمرے میں ہی چلی جائیں گی۔ گرما گرم دودھ پتی پی کر اور بیسن کا حلوا جی بھر کے کھا کر دادی اور اماں کچھ دیر کمر ٹکانے کے لیے اور کشور سے ملنے کے لیے اس کے کمرے کی طرف چل دیں۔ عورتوں نے باورچی خانے کا رخ کیا اور مردوں نے ڈیرے کا...... بیجا بھی دادی اور ماں کے پیچھے ہو لیا۔ کمرے کے دروازے کے باہر سے ہی تینوں نے کشور کی آوازیں سنیں جو اپنے بیٹے کے ساتھ لاڈیاں کرنے میں مصروف تھی۔

www.urdupalace.com

''او..... میرا ٹلو..... میرا پیارا ٹلو..... یہ تو سب سے سوہنا ٹلو ہے۔'' تینوں نے بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ کشور اور نام بگاڑے..... وہ بھی اپنے بیٹے کا..... وہ تینوں ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ کشور کی نظر پڑی تو بے ساختہ چیختی ہوئی اماں اور دادی کے گلے جا لگی۔ کتنے مہینوں بعد تو ملے تھے سب.....

''اماں، دادی میں بہت اداس ہوگئی تھی۔ قسم سے بڑا یاد کرتی تھی، پر پنڈ کے جھمیلے جان ہی نہیں چھوڑتے اور پھر میرے شہر آنے پر بھی روک لگ گئی تھی۔'' کشور بیڈ سے کپڑے سمیٹتی دادی اور اماں کے بیٹھنے کی جگہ بنانے لگی۔ دادی نے تو لیٹنے کی، کی اور لحاف سینے تک اوڑھ لیا اور اماں نے بھی ٹانگیں لحاف میں گھسالیں۔ سیٹ ہو کر دادی کو پوتے کا خیال آیا۔

''ہیں، کشور ذرا منڈے کو تو دے مجھے، رب دی سوں میں تو فیر اِک واری جوان ہوگئی ہوں۔'' کشور نے بیٹے کو دادی کی گود میں ڈالا۔

''فیر اِک واری کا کیا مطلب دادی؟ آخری دفعہ آپ کب جوان ہوئی تھیں۔'' یہ پیچا تھا جس نے اصل میں کشور کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

''ہائے میں صدقے، میرا ویر..... تو تو ہور لمبا ہوگیا ہے، کیسا ہے تو پیچے.....؟'' کشور، بھائی پر واری صدقے جانے لگی۔ جبکہ پیچے کی آنکھیں پھٹ کر کانوں کو جا لگیں۔

''آپا، تجھے سردی تو نہیں لگ گئی یا پھر تیری... یادداشت ماری گئی ہے کیا؟ پرویز نام ہے آپا میرا، پرویز.....'' پیچے نے یاد دلایا تھا۔

''پرویز ہو یا پیچا میرا ویر..... نام سے کیا ہوتا ہے، اصل چیز کام ہے کام، کسی کام سے لگ جائے گا تو نام خود ہی ہو جائے گا۔'' اماں کو تو ہول پڑ رہا تھا کشور کی فلسفیانہ گفتگو سے جبکہ دادی پڑپوتے کو ہاتھوں میں لیے اس سے باتیں کرتی کن انکھیوں سے کشور کو بھی دیکھ رہی تھیں۔

''اور اماں، گھر میں سب کیسے ہیں؟ پوپے اور ابا کو بھی لے آتیں۔ سچی تم لوگ تو بیاہ کر مجھے بھول ہی گئے۔'' کشور اماں سے مخاطب تھی جبکہ اماں کا منہ ابھی تک حیرت سے ادھ کھلا تھا۔ اسی منہ سے ان کی آواز برآمد ہوئی۔

''آئیں گے، سب آئیں گے میری بچی..... پر تو یہ بتا کہ تیرا دماغ تیرے کھوکھے (سر) میں ہی ہے یا کہیں پھینک پھونک بیٹھی ہے۔''

''کیا اماں! میں کیا پوچھتی ہوں اور آپ کی بتاتی ہو..... نواسے کی شکل تو دیکھو۔'' اب کے کشور نے دھیان بیٹے کی طرف کرایا جیسے اماں نے دادی سے لے کر تھام لیا۔

''آپا نام کیا رکھا ہے میرے بھانجے کا؟ یقیناً بڑا اچھوتا ہی سوچا ہوگا۔'' پیچے کو پتا تھا کہ کشور کو نئے اور خوب صورت ناموں کا کتنا شوق تھا۔

''خورشید..... خورشید رکھا ہے کیسا.....؟'' کشور نے فخریہ بھویں اچکاتے ہوئے بم پھوڑا۔

دادی، اماں اور پیچا پھر سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

''آپا تھوڑا ''ہولا'' رکھنا تھا۔ لگتا ہے پورے پنڈ کے ناموں کا وزن اس اکیلے بیچارے پر لاد دیا ہے۔''

''او جا اوئے! چنگا بھلا تو ہے..... کیوں..... اماں؟'' اور اماں نے مروتاً سر اثبات میں ہلا دیا تھا جبکہ دادی کا اطمینان قابلِ دید تھا۔

''اچھا، تو یہ ٹلو کان ہے؟'' پیچے کو کسی طور چین نہیں پڑ رہا تھا۔

''یہی ہے! اور کون ہوگا..... اس کا ماما.....؟ ہاہا.....'' کشور اپنی بات پر دل کھول کے ہنس دی۔

''اللہ نہ کرے آپا..... میں پرویز ہی ٹھیک ہوں، بس ٹلو نام کچھ ہضم نہیں ہوا۔ اس لیے پوچھ لیا، تمہیں تو نام بگاڑنا برا لگتا تھا ناں آپا.....؟''

''لگتا تھا..... پر وہ کیا ہے ناں، یہاں پنڈ میں سب کے نام بگڑے ہوئے ہیں، سو اس کا بھی نام سوچا جا رہا تھا کہ خورشید کو کیا کہہ کر بلایا جائے..... اس کی

www.urdupalace.com

پھپھیاں ''شیدی'' کہہ رہی تھیں..... تایا ''کھرچی'' بول رہا تھا اور چاچا ''شیدا ٹلی''، بلا رہا تھا۔ مجھے ایک بھی پسند نہیں آیا تو میں نے اپنی مرضی سے ''ٹلو'' رکھ لیا۔ سبھی کو بھا گیا۔ کیوں دادی آپ کو کیسا لگا..... آپ بھی تو کچھ کہیں ناں.....؟''

''پتر نگینے کی طرح فٹ بیٹھا ہے وڈا ہو کر سارے ٹبر کی ''ٹلیاں'' بجائے گا ہاہاہا.....'' دادی نے ہنستے ہوئے سر دھنا تھا جبکہ اماں کو ان کا اطمینان ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ ان کی برداشت ختم ہوگئی۔

''کشور لگتا ہے، دن، رات بھینسوں میں رہ تیرے دماغ کا گوبر بن گیا ہے۔ کہاں تو پنڈ اور اِدھر کے لوگ تیرے وارے میں نہیں آرہے تھے اور اب تو خود ہی ڈنگروں کی طرح ہوتی جارہی ہے۔'' ابھی اماں نے اور بھی لتاڑنا تھا کہ دادی کا تنبیہی ہنکارا سنائی دیا۔

''ہوں..... ہوں.....'' پھر کشور سے مخاطب ہوئیں۔

''کشور پتر جا ذرا ایک، ایک کپ دودھ پتی کا اور بنالا..... پنڈ کا پالا (ٹھنڈا) تو گوڈوں میں گھس رہا ہے۔'' کشور کو باہر بھیج کر دادی نے اماں کا مغز ٹھنڈا کیا۔

''اے فضیلت..... قد تیرا مر کر چار فٹ ہوگا پر عقل تیری ہورے کیوں گٹوں میں ہے، حالانکہ سنتے آئے ہیں لمبے کی عقل گٹوں میں ہوتی ہے..... یہ تو بیٹی سے کس طرح کی باتیں کررہی ہے..... یاد ہے اِک واری میں نے تجھے کیا سمجھایا تھا؟'' دادی کا انداز استفہامیہ تھا جبکہ اماں کے چہرے پر ہنوز اکتاہٹ تھی۔

''یاد کروہ دن جب ویہڑے میں منجی (چارپائی) پر بیٹھ کر گرم، گرم دھوپ سینکتے ہوئے ہم مالٹے چوپ (چوس) رہے تھے۔'' دادی کی نظریں خلاؤں میں بھٹک رہی تھیں۔

''ہم نہیں..... آپ بے بے اکیلی آپ اور پورے سات مالٹے چوپے تھے آپ نے.....'' اماں نے بروقت دادی کو یاددہانی کروائی تھی۔

''کم بخت پتا تھا مجھے تو یقیناً میرے مالٹے گن رہی ہوگی۔ تبھی تو اس دن میرا پیٹ ڈھیلا ہوگیا تھا اور ساری رات میری غسل خانے میں گزری تھی۔''

''او..... دادی! اب آپ لڑنا نہ شروع کردیں۔ آگے بھی تو بتائیں کیا ہوا تھا۔'' پیجے نے پنجا لڑانے سے پہلے ہی دونوں کو روک دیا۔

''ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ ابھی میرے منہ پر چڑھا مہندی کا رنگ پھیکا نہیں پڑا تھا۔'' دادی نے مہندی کا ذکر اس انداز میں کیا جیسے کسی نئی دلہن کے ہاتھوں کی مہندی کا تذکرہ.....

''اس ویلے میں نے تجھ سے کہا تھا فضیلت کہ اپنی کشور کی تربیت میں کھوٹ نہیں۔ اس کا حال وہی ہوگا۔ ''میں آئی بُو گوائی'' وہ جہاں جائے گی ویسی ہی ڈھل جائے گی۔ حالانکہ اسے یہی محسوس ہوگا جیسے دوسرے اس کی مرضی کے مطابق خود کو تبدیل کررہے ہیں۔ جبکہ اصل بدلاؤ اس کی اپنی ذات میں آئے گا۔'' دادی نے بڑے فخر سے پوتی کی نفسیات دُہرائی تھی اور اماں نے ساری بات سمجھ کر سر دھنا تھا۔

''شوں، شوں، شوں.....''

''بے بے! پیجے! آپ لوگوں کو خوشبو آرہی ہے کوئی.....؟ شوں..... شوں.....'' اماں ناک سے کسی نادیدہ چیز کو سونگھتی ہوئی پوچھنے لگیں۔

''ہاں آرہی ہے ''مٹر قیمے'' کی۔'' دادی بولیں۔ انہیں مٹر قیمہ بہت پسند تھا۔ ''میرا خیال ہے کچن میں تیری جیٹھانی شاید یہی بنارہی ہے۔''

''نہیں بے بے ''مٹر قیمہ'' نہیں مجھے تو مولیوں کی خوشبو آرہی ہے۔ میرا خیال ہے اپنی کشور نے سویرے ناشتے میں مولیوں والے پراٹھے کھائے ہوں گے اسی پلنگ پر۔'' اماں نے لحاف سونگھتے ہوئے قیاس آرائی کی تھی کیونکہ خوشبو یا بدبو جو بھی تھا لحاف میں ہی تھا۔

''تو مجھے خوش نہ ہونے دینا فضیلت..... اپنی پسند کی چیز کی ہی خوشبو گھسی ہے تیری ناک میں۔'' تبھی کشور ٹرے میں دودھ پتی کے گلاس رکھے اندر داخل ہوئی۔

''لے کشور سے پوچھ۔'' دادی نے کشور کو درمیان میں گھسیٹا۔ ''آج کس چیز کا ناشتا کیا ہے تو نے

www.urdupalace.com

کشور؟ مٹر قیمہ'' کھایا تھایا ''مولی کا پراٹھا؟''
''افوہ دادی...... میں نے تو سویرے دلیہ کھایا تھا۔ بھلا نکے سے بچے کے ساتھ میں اتنی بھاری خوراک کیسے لے سکتی ہوں۔''
''ہاں! گل تو تیری ٹھیک ہے...... پھر کچن میں کچھ پک رہا ہوگا؟'' دادی کو بھی تسلی نہیں ہوئی تھی۔
''پر بے بے، ہمک اس لحاف میں سے اٹھ رہی ہے......'' اماں بھی سابقہ بیان پر قائم تھیں۔
''اوہو...... ! اماں آپ لوگ بھی کمال کرتے ہو۔'' کشور نے ٹرے تپائی پر رکھی اور پھر گویا ہوئی۔
''دادی! مٹر قیمہ تو تائی نے واقعی پکایا ہے، خاص آپ کے لیے۔'' کشور نے دادی کو اطلاع بہم پہنچائی۔
''آئی شاواش اے......'' دادی نے لہرا کر ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اماں کی جان جلائی تھی۔
''پر ناں جی...... مجھے تو اب بھی کچھ مولیوں کی وہاڑ (بدبو) آرہی ہے۔'' اماں نے حتمی انداز میں ہاتھ اٹھا کر بات ختم کی۔
اماں کی بات پر دادی نے بھی کچھ کھٹک کر لحاف میں منہ گھسا کر کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔ پھر لاشعوری طور پر لحاف ذرا سا پرے سرکا دیا جسے سینے تک اوڑھ رکھا تھا۔
''نہیں اماں...... اصل میں رات آصف سرگی (سحری) ویلے آکر لحاف لے گئے تھے۔ وہ ناں پچھلے صحن میں جو بھوری مج (بھینس) ہے ناں آصف کو لگا وہ ٹھنڈ کے مارے کالی سے نیلی ہو رہی ہے۔ وہ ٹھہرے درد مند اور ہمدرد سدا کے۔'' کشور کے لہجے میں آصف کے لیے پیار ہی پیار تھا۔
''فٹافٹ لحاف لیا اور اس نمانی کے اوپر ڈال آئے۔ مجھے تائی کے کمرے سے دوسرا لا دیا پر آپ کو تو پتا ہے ناں اماں، مجھے اپنے تکیے اور لحاف کے بغیر نیند کہاں آتی ہے، صبح روشنی پھوٹتے ہی میں نے واپس منگوا لیا اور تائی والا بھیج دیا۔'' کشور کے لیے کوئی خاص بات نہیں تھی یہ۔

''او تیرا بیڑا غرق ہو کشور......'' دادی نے ایک جھٹکے سے لحاف پرے پھینکا......''دس مرتے سہی، ناس مارا آصف تو لگتا ہے بھینس کی بُو پرو کر لے آیا ہے اس میں اور تو نے وہی ''کسیلا لحاف'' ہمیں اوڑھا دیا۔''
دادی کا غصہ عروج پر تھا اور بھیجے کی ہنسی......
''پر بے بے...... مولیوں کی ہمک کدھر سے آرہی ہے؟'' اماں مولیوں پر ہی اٹکی تھیں۔
''اوہو...... اماں! چھوڑ بھی دو مولیوں کو۔ کھالی ہوں گی بھوری نے مولیاں، پاس ہی تو ڈھیر لگا رہتا ہے سبزیوں کا۔ جو میرا دیور ہمارے کھیتوں سے لاتا ہے۔'' کشور کے لہجے میں کھیتوں کا فخر بول رہا تھا۔
''اور دادی...... وہ تو سحری کی بات تھی۔ اب تو بُو اڑ شڑ بھی گئی ہوگی۔'' کشور نے دادی کو تسلی دی۔
''مر جائیے...... ابھی تک اندھیر نگری مچی ہے اندر...... ذرا منہ اِدھر لا۔ اندر گھساؤں تیرا پھر تجھے اپنی بھوری کی کرتوت پتا چلے۔'' دادی کو کشور کی بے نیازی زہر لگ رہی تھی۔
''آئے ہائے دادی، میں بھی تو اسی لحاف میں سوئی ہوں، مجھے تو کوئی نہیں آئی بُو......'' (میں آئی بُو گوائی)
''ویسے بھی بھوری والا پاسا (سائڈ) یہ تھوڑی تھا۔ وہ تو اماں والا تھا۔ تبھی تو مولیوں کی ہمک چڑھ رہی ہے انہیں۔'' اور اماں کو مانو کسی نے تیلی دکھادی تھی۔ شرلی کی طرح اوپر کو اچھلیں اور ایک جھٹکے سے لحاف اتار کر پرے پھینکا جو سیدھا دادی کے اوپر آکر انہیں لپیٹ میں لے گیا۔ دادی بیچاری جو پہلے ہی خود کو لحاف سے آزاد کرا چکی تھیں اور اپنی ناک کو شال سے اچھی طرح ڈھکے بیٹھی تھیں۔ اس اچانک سر پڑنے والی افتاد پر بری طرح لحاف میں مچلنے لگیں۔ وہ بیچاری شال میں اچھی طرح لپٹی ہوئی تھیں۔ اس میں سے ہاتھ نکالتیں تو لحاف ہٹا پاتیں ناں...... اور بس ایک بار وہ لحاف سے نکل آتیں تو یقیناً باقیوں کی خیر نہیں تھی۔ جو ہنس، ہنس کر بے حال ہوئے جا رہے تھے۔

www.urdupalace.com

Advertisement at Urdu Palace

Are you looking for an affordable website to advertise your business?
Urdu Palace offers lowest rates for all advertisers.
For Advertisement of your brand or business on our website call us or contact through

Whatsapp on following numbers:+92-348-8709449,+92-303-5110135

www.urdupalace.com